

ایک امریکن پروفیسر کا خط اور اس کا جواب

تاویل قرآن کے صحیح اصول

پچھلے دنوں امریکہ کی ٹنفیس یونیورسٹی (TUFTS UNIVERSITY) کے ایک پروفیسر، ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ (FREELAND K. ABBOTT) نے ہمارے پاس چند سوالات اس درخواست کے ساتھ بھیجے تھے کہ ہم ان کا مفصل جواب دے کر ان مشکلات کو رفع کریں جو انہیں فہم قرآن کے معاملہ میں پیش آ رہی ہیں۔ یہ سوال نامہ اور اس کا جواب چونکہ قرآن مجید کے دوسرے طالب علموں کے لیے بھی مفید ہو سکتا ہے اس لیے ان صفحات میں اسے درج کیا جا رہا ہے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں :

- اسلام کو گمے نہ کیا کوشش ہو جس مسئلے کو میں نے سب سے زیادہ پریشان کن پایا وہ قرآن کی تاویل و تعبیر کا مسئلہ ہے۔ ذیل کے سوالات میں نے اس غرض کے لیے مرتب کیے ہیں کہ اس معاملے میں میرے ذہن کی اطمینان کو صاف کیا جائے۔ میں نے ایک مخصوص مسئلے کو اپنے سوالات کا محور صرف اس لیے بنایا کہ تاویل قرآن کے اصولوں کو جاننے کے ساتھ یہ بھی معلوم کر سکوں کہ مخصوص مسائل پر ان اصولوں کا اطلاق کس طرح ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے "دین میں کوئی جبر نہیں ہے" (بقرہ - آیت ۲۵۶) اس پر حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :

(۱) کیا ایران میں ہوائیوں کا اتیصال اس آیت کے خلاف نہیں ہے ؟ اگر نہیں ہے تو کیوں ؟ کیا پاکستان میں تاویل قرآن کے خلاف گزراتے ہیں اس آیت کے خلاف نہ تھے ؟ اگر نہ تھے تو کیوں ؟

(۲) اگر وہ اسلوب کیا ہے ؟ کیا یہ لفظ قہر (COERCION) سے زیادہ وسیع نہیں ہے ؟ اگر

موجودہ زمانے کی ایک ریاست میں مسلمانوں کو ٹیکس میں رعایات ملیں یا شہریت کے زیادہ فوائد حاصل ہوں تو کیا یہ بھی غیر مسلموں کے حق میں اکراہ نہ ہوگا؟ یقیناً ایک ایسا تاجر بہ قصور سے منافع پر کام کر رہا ہو، اپنی روزی محفوظ رکھنے کے لیے ایسے حالات میں اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

(۳) کیا یہاں لفظ "دین" اپنے عام و سیاح تر معنوں کی بہ نسبت محدود تر معنوں میں استعمال ہوا ہے؟
(۴) اس آیت کا ایک مفسر کہتا ہے کہ مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ جب ان کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو انہیں اس اصول کی پیروی کرنی چاہیے کہ دین میں جو برے کام نہ لیا جائے۔ یہ مفسر اس آیت کے حکم کو صرف اس حالت کے لیے کیوں مخصوص کرتا ہے جب کہ مسلمان اقتدار رکھتے ہوں؟ کیا آپ اس تاویل سے اتفاق کرتے ہیں؟

(۵) اگر آپ کو بھی اس سے اتفاق ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اس وقت تک جو برے کام لے سکتے ہیں جب تک کہ انہیں اقتدار حاصل نہ ہو جائے؟

(۶) اگر ایک اسلامی ریاست میں ایک مرتد واجبِ قتل ہے تو چھریا یہ دین میں جو برے کام استعمال نہیں ہے؟
قرآن کہتا ہے "وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ اس کی کچھ آیات حکم میں اور دکھا کتاب کی اہل و بیاد ہیں۔ دوسری مشابہات ہیں۔ سوچ لوگوں کے دلوں میں بیڑ ہے وہ اس کتاب کی ان آیات کے پیچھے پھوسے رہتے ہیں جو مشابہ ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور ان کو معنی پہنائیں۔ (آل عمران، آیت ۷۵)
(۷) کیا یہ صحیح ہے کہ آیات حکمت سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی صاف اور صریح ہیں اور ان بنا پر ان کی تاویل و تفسیر کی حاجت نہیں ہے؟ اگر بات یہی ہے تو کیا یہ فرض کر لیا جائے گا کہ ان کے معنی سب لوگوں پر واضح ہیں؟ اور کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ ایک ہی طرح سمجھتے ہیں اور ایک ہی درجے کا تشغل رکھتے ہیں؟

(۸) کیا آیت لا اکراہ فی الدین حکم ہے؟ اگر نہیں ہے تو چند ایسی آیتوں کی نشان دہی کیجیے جو قطعی طور پر صریح الدلالت ہیں۔

(۹) سورہ نساء کی تیسری آیت جس میں تعدد و ازدواج کی اجازت مذکور ہے حکم ہے یا مشابہ؟ اگر حکم

(۱۵) فران جگہ جگہ یہودی اور مسیحی کتب متخصہ کو الہامی کتابوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ مگر بائبل کے بہت سے علماء اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ کتابیں محض تاریخی دستاویزی ہیں جن میں سے بعض کو ایک سے زیادہ مصنفوں نے تیار کیا ہے اور ان کے اندر الہامی ہونے کی شہادت کم ہی ملتی ہے۔ اب کیا قرآن ان کتابوں کے معاملے میں وحی والہام کو کسی مخصوص معنی میں استعمال کرتا ہے؟ کیا بائبل کے علاوہ کئی اور نئے نئے نسط ہے؟ یا ہم یہ فرض کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں کوئی تغیر ہو گیا ہے؟

اس سوال نامے کا جو جواب صاحب موصوف کو بھیجا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

قرآن کی تاویل کا صحیح طریقہ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ قرآن مجید کی تاویل و تفسیر کا صحیح طریقہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ اس آیت کے معنی سمجھنا چاہتے ہوں، پہلے عربی زبان کے لحاظ سے اس کے الفاظ اور ترکیب (CONSTRUCTION) پر غور کریں۔ پھر اسے سیاق و سباق (CONTEXT) میں رکھ کر دیکھیں۔ پھر اسی مضمون سے تعلق رکھنے والی جو دوسری آیات قرآن میں مختلف مقامات پر موجود ہیں ان کو جمع کر کے دیکھیں کہ زیر بحث آیت کی لگان تعبیرات میں سے کونسی تعبیر ان سے مطابقت رکھتی ہے اور کونسی تعبیر ان کے خلاف پڑتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص کا کوئی قول اگر دو یا زیادہ تعبیرات کا محمل ہو تو اس کی وہی تعبیر مستبرکھی جائے گی جو اس مضمون کے متعلق اسی شخص کی دوسری تصریحات سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس حد تک، قرآن کا مطلب خود قرآن سے معلوم کرنے کی کوشش جب آپ کر لیں تو اس کے بعد یہ بھی دیکھیے کہ جو شخص دراصل اس قرآن کو پیش کرنے والا تھا اس کے قول اور عمل سے قرآن کی زیر بحث آیت کے مضمون کا کیا روشنی پڑتی ہے، اور جو لوگ اس کے قریب ترین زمانے میں اس کے پیرو تھے وہ اس آیت کا کیا مطلب سمجھتے تھے۔

آیت لا اکواہ فی الدین کے معنی | اس اصولی توضیح کے بعد اب میں اس آیت کو لیتا ہوں جسے آپ نے سوال کے طور پر لیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "دین میں کوئی جبر نہیں ہے" عربی زبان کے لحاظ سے دین میں سے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک دین قبول کرنے یا اختیار کرنے کے معاملے میں۔ دوسرے دین سکے

جو قبول کرنا چاہے وہ اپنی آزاد مرضی سے قبول کرے اور جو قبول نہ کرنا چاہے اسے کوئی زبردستی ایمان لگا کر مجبور نہ کرے گا۔

اس مضمون پر مزید روشنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے براہ راست تربیت پانے والے اصحاب کے طرز عمل سے پڑتی ہے۔ انہوں نے کبھی کسی غیر مسلم کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا، مگر جو لوگ اسلام قبول کر کے مسلم سوسائٹی میں داخل ہو گئے ان کو اسلامی احکام کی تعمیل پر ضرور مجبور کیا اور اس غرض کے لیے اخلاقی و معاشرتی دباؤ ہی سے نہیں، حکومت کی طاقت سے بھی کام لیا۔ اُن کے زمانے میں بکثرت غیر مسلم اسلامی حکومت کی رعایا بنے۔ انہیں عقیدے اور عبادت اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دی گئی اور ان کے شخصی قانون (PERSONAL LAW) کو بحال رکھا گیا، مگر اسلامی حکومت کا اجتماعی قانون (PUBLIC LAW) ان پر بھی اسی طرح نافذ کیا گیا جس طرح وہ مسلمانوں پر نافذ کیا جاتا تھا۔

یہاں تک میں نے آیت کے اصل مفہوم کی تشریح کی ہے۔ اب میں آپ کے سوالات نمبر ۶ کا الگ الگ جواب عرض کرتا ہوں۔

قاویانیوں کا معاملہ (۱) ایران میں یہائیوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کے متعلق میرے پاس پوری معلومات نہیں ہیں، اس لیے میں اس پر کوئی اظہار رائے نہیں کر سکتا۔ لیکن پاکستان میں قاویانیوں کے معاملے پر آپ کا سوال سخت غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ قاویانیوں کو ملک سے نکال دیا جائے، یا مٹا دیا جائے، یا زبردستی قادیانیت چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، یا حقوق شہریت سے محروم کر دیا جائے۔ مطالبہ صرف یہ تھا اور ہے کہ جب وہ بنیادی عقیدے اور مذہبی اعمال اور معاشرتی نظام میں مسلمانوں سے خود الگ ہو چکے ہیں تو اس علیحدگی کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا جائے اور انہیں بغیر کسی معقول وجہ کے مسلم سوسائٹی کا ایک حصہ نہ قرار دیا جائے۔ آپ خود غور کیجئے کہ یہ مطالبہ آخر کس منطوق کی رو سے قرآن مجید کی زیر بحث آیت کے خلاف پڑتا ہے؟ کیا دین میں جبر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس گروہ کو تمام مسلمان دین سے خارج سمجھتے ہیں، اور جو خود بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان سے عطا الگ ہو چکا ہے، اسے دین میں داخل تسلیم کرنے پر مسلمانوں کو مجبور کرنا چاہیے؟ وہ نہادانہ جرماریج ۱۳۲۳ھ میں ہوئے تھے، تو یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے کہ وہ

قادیانیوں کے خلاف تھے۔ ان کو قادیانیوں کے خلاف ہنگاموں (ANTI QADIANI DISTURBANCES) کا نام بالکل غلط دیا گیا ہے جس سے ناواقف حال لوگوں کو خواہ مخواہ یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہاں کے عام مسلمان شاید قادیانیوں کو قتل و غارت کرنے پر تل گئے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فسادات حکومت اور عوام کے درمیان اس کشمکش کی وجہ سے برپا ہوئے تھے کہ ایک طرف عوام قادیانیوں کے بارے میں مذکورہ بالا مطالبہ تسلیم کرانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہتے تھے اور دوسری طرف حکومت ان کے اس ایچی ٹیشن کو طاقت سے دبا دینا چاہتی تھی۔ پس تصادم دراصل حکومت اور عوام کے درمیان ہوا تھا نہ کہ قادیانیوں اور عوام کے درمیان۔ قادیانیوں کی جان و مال پر عوام نے صرف اس وقت حملہ کیا جب انہیں یقین ہو گیا اور اس یقین کے لیے اچھے خاصے وزنی وجوہ تھے) کہ فسادات کے دوران میں پولیس اور فوج کی وردیاں ہیں کہ بعض قادیانی مسلمانوں کو قتل کرتے پھر رہے تھے (ملاحظہ ہو تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ صفحہ ۱۵۶)

مسلمانوں کے امتیازی حقوق کا معاملہ (۲) مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ٹیکس عائد کرنے کے معاملے میں کوئی امتیاز اسلامی قانون کے اندر نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی اسلامی دور میں عملاً غیر مسلم تاجروں سے مسلمان تاجروں کی بہ نسبت زیادہ تجارتی محصول لیا جاتا تھا، مگر دراصل وہ کسی مستقل شرعی حکم کی بنا پر نہ تھا اور نہ اس سے مقصود غیر مسلم تاجروں کو اسلام لانے پر مجبور یا آمادہ کرنا تھا، بلکہ وہ ایک وقتی تدبیر تھی جو مسلمانوں کو تجارت کا ہدف مائل کرنے کے لیے اختیار کی گئی تھی، کیونکہ اس وقت مسلمان اکثر و بیشتر فوجی اور سول خدمات میں لگ گئے تھے اور نہ مفتوح ممالک کی پوری معاشی زندگی (تجارت، صنعت و حرفت، زراعت وغیرہ) بالکل غیر مسلموں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس پر اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اس ترجیح کے نتیجے میں قلیل منافع پر کام کرنے والا تاجر (MARGINAL BUSINESSMAN) اپنی روزی برقرار رکھنے کے لیے مسلمان ہونے پر مجبور ہو سکتا تھا، تو میں کہوں گا کہ آپ کا یہ تیسرا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسلمان ہوتے ہی اس پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی جس کا بار جزئیے اور محصول تجارت کے مجبوسے سے زیادہ تھا۔ زکوٰۃ اس کے تمام تجارتی سرمایے اور گھر کے زیورات اور جمع شدہ رقم پر ڈھائی فی صدی سالانہ کے حساب سے لگتی۔ بنیاد اس کے بڑے سے بڑے مال دار غیر مسلم کو بھی ۴۸ درہم (تقریباً ۳ ڈالرز) سالانہ سے زیادہ جزویہ نہ دینا پڑتا تھا اور رسول

تجارت میں اس کو مسلمان کی بہ نسبت حد سے حد صرف ۵۰ فی صد زیادہ دینا ہوتا تھا۔
(۳) اس سوال کا جواب میری ابتدائی تشریح میں گزر چکا ہے۔

اٹا مطلب | (۲ - ۵) جس مفسر کے قول کا حوالہ آپ نے دیا ہے اس کا منشا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جب تک مسلمان برسر اقتدار نہ ہوں وہ زبردست اپنے دین میں لوگوں کو داخل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں البتہ جب وہ اقتدار حاصل کر لیں تو جبر کا استعمال چھوڑ دیں، بلکہ اس نے آیت کی یہ تفسیر غالباً اس مفروضے پر کی ہے کہ جبر کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی شخص یا گروہ کو کسی دوسرے شخص یا گروہ پر کسی نہ کسی طرح کا جابرانہ اثر و تعلق حاصل ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ ایک غیر مقتدر آدمی سے یہ کہنا بے معنی ہے کہ تو جبر نہ کر۔ مجھے معاف کیجیے اگر میں یہ کہوں کہ آپ نے اس مفسر کے قول کا حوالہ اٹا مطلب لیا ہے وہ منطق کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے۔

مرتد کی سزا کا مسئلہ | (۶) مرتد کے بارے میں اسلام کا قانون بظاہر اس آیت کے خلاف محسوس ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ آیت کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو اسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں انہی کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ انہیں داخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس کے برعکس مرتد کے بارے میں اسلامی قانون کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو اسلام میں داخل ہو کر پھر اس سے نکلنا چاہیں۔ ان لوگوں پر جبر کے استعمال کی اصل غرض یہ نہیں ہے کہ اُن کو دین میں رکھا جائے بلکہ یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی کو جو ریاست کی بنیاد ہے، انتشار (DISINTEGRATION) سے بچایا جائے۔ اسلامی قانون جس طرح ایک مسلمان کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے علانیہ اسلام کو چھوڑ دے، اسی طرح وہ ایک غیر مسلم ذمی کو بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ریاست کے حدود میں رہتے ہوئے اس کی وفاداری سے علانیہ انکار کر دے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی ریاست بھی اپنے اجراء ترکیبی کے انتشار کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ اس معاملہ میں سب ہی داخل نہ ہونے والے اور داخل ہو کر نکل جانے کے درمیان فرق کرتے ہیں اور دونوں کے ساتھ ایک سا معاملہ کوئی بھی نہیں کرتا۔ کیا امریکی شہریت یا برطانوی قومیت اختیار نہ کرنے والے، اور اختیار کر کے چھوڑ دینے والے کی پوزیشن ایک ہے؟ کیا امریکی دفاع میں شامل نہ ہونے والی ریاست اور شامل ہو کر نکل جانے والی ریاست کے ساتھ آپ ایک ہی معاملہ اختیار کریں گے؟

حکامات اور مشاہدات کے معنی | اب دوسری آیت کو لیجیے جو اپنے سورہ آل عمران سے نقل کی ہے۔

اس لئے متعلق جو سوالات آپ نے کیے ہیں ان کا جواب طلب کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ آیات حکامات اور آیات مشاہدات کا مفہوم اور ان کا باہمی فرق اچھی طرح سمجھ لیں۔ آیات مشاہدات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں انسانی حواس سے ماوراء حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ حقیقتیں چونکہ براہ راست انسان کے تجربے اور مشاہدے میں نہیں آئی ہیں، اور اس بنا پر انسانی زبان میں ان کے لیے الفاظ موجود نہیں ہیں جو انہی کے لیے وضع کیے گئے ہوں، اس لیے وہ محالہ ان کو بیان کرنے میں وہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو انسان نے دراصل محسوس اشیاء کے لیے وضع کیے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے زندگ، بیانی، سعادت، گویائی وغیرہ الفاظ کا استعمال، یا اس کے لیے عرش اور کرسی ثابت کرنا اور یہ کہنا کہ وہ آسمان میں ہے۔ یا یہ کہنا کہ وہ محبت کرتا ہے یا غمگینا کہ جوتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ اور اسباب بیان حقیقت کا ایک جملہ تصور تئیں دے سکتے ہیں اور وہ دینا مفہوم دہی ہے، لیکن ان الفاظ اور بیانات کی مدد سے حقیقت کا پورا پورا تفصیلی تصور حاصل کرنا، اور ان ماورائے حواس حقائق کی پورا پوری کیفیت اور نوعیت (NATURE) معلوم کر لینا بہ حال ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن ان کی تاویل کی کوشش کرنے والوں کو نلط ذہنیت کا شکار قرار دیتا ہے، کیونکہ وہ الفاظ اس کے متحمل ہیں ہی نہیں کہ انسان ان کے معانی تعبیر کر سکے۔ ان کی کوئی ایسی تعبیر کر سکے جس سے اصل حقیقت اس کے ادراک کی گرفت میں آجائے۔ اس کے برعکس آیات حکامات وہ آیات ہیں جو انسان اور کائنات سے تعلق رکھنے والے محسوس حقائق، اور تجربہ و مشاہدے میں آنے والے مسائل و معاملات سے بحث کرتی ہیں، یا انسان کو وہ احکام اور ہدایات دیتی ہیں جن پر اسے عمل کرنا ہے۔ ان آیات میں چونکہ وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو زیر بحث اشیاء اور امور ہی کے لیے انسانی زبان میں وضع کیے گئے ہیں اس لیے انسان ان کی تاویل و تعبیر کر سکتا ہے ان کے معانی متعین کرنے کی کوشش ممکن ہے۔ ہے اور جائز بھی باوجود شہادت میں مطلوب ہے، کیونکہ قرآن کے منشا کو سمجھنے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ کوشش نیک نیتی کے ساتھ ہو، نہائی حاصل کرنے کے لیے ہو، اور ان معقول طریقوں کے مطابق ہو جو دنیا میں کسی کام کا حقیقی مفہوم اور اسے منظم کرنے کے لیے (مثلاً اس کو بنی

خواہشات اور اپنے نفسیات کے مطابق ڈھالنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد میں آپ کے بقیہ سوالات کا سلسلہ وار جواب دوں گا۔

آیاتِ محکمات کا غلط مفہوم | (۷۵) اس سوال کا جواب اوپر کی تشریح کے بعد غیر ضروری ہو جاتا ہے۔

آیاتِ محکمات کا یہ مطلب ہے ہی نہیں کہ وہ ایسی آیات ہیں جن کی تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید تو آیاتِ متشابہات کی تاویل سے منع کر کے ان آیات کی طرف انسان کی توجہ اسی غرض سے لے پھیرتا ہے کہ غور و فکر اور بحث و تحقیق اور تاویل و تعبیر کی کوششوں کا صحیح رخ یہ آیات ہیں نہ کہ آیاتِ متشابہات۔

آیاتِ محکمات کوئی ہیں | (۸۱) آیتنا لا الہ الا فی الدین یقیناً آیاتِ محکمات میں سے ہے۔ اس لیے کہ

دین اور اکراہ اور ذون میں اکراہ نہ ہونا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے معنی ہم لغت سے، قواعدِ زبان سے، سیاق و سباق سے، قرآن کے دوسرے بیانات سے، اور سنت، اجماع اور قیاس کی مدد سے متعین کر سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کی وہ تمام آیات محکم ہیں جن میں انسان سے کسی چیز کے ماننے یا کسی چیز کا انکار کرنے، یا کسی چیز پر عمل کرنے یا کسی چیز کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ نیز وہ سب آیات محکم ہیں جو عسوس و مشوہات کا ذکر کرتی ہیں یا ان امور و مسائل سے بحث کرتی ہیں جو انسان کے تجربے میں آتے ہیں۔

تعدد ازواج کا مسئلہ | (۹۱) اوپر کی تشریح کے بعد یہ بات آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۳

مقتضیٰ نہیں بلکہ محکم ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ اگر یہ محکم ہے تو اس کی تعبیر میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ متعدد

غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کی پوری غلط فہمی یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہو اس میں تعبیرات کا اختلاف نہ ہونا چاہیے

اور یہ غلط فہمی آپ کو اس لیے ہوئی ہے کہ آپ محکم آیت کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ وہ سر کے سے فتاح تعبیر کی

نہیں ہوتی۔ آپ کی دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس آیت کی تعبیر میں کچھ بہت اختلافات آتا ہونا ہو سکے ہیں اور جب

وہ اختلافات ہیں۔ حالانکہ علماء اسلام کے درمیان ۱۲ سو برس تک اس آیت کا یہ مفہوم متفق علیہ رہا ہے کہ

یہ ایک مرد کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت دیتی ہے، اس کے لیے بیک وقت چار کی حد مقرر کرتی

ہے، اس کے لیے عدل کی شرط لگاتی ہے، اور عدل سے مراد برباد اور حقوق میں عدل سے نہ کہ دلی لگاؤ

میں بلائی۔ اب رہیں وہ تعبیرات جو انیسویں صدی کے آخری دور سے بعض مسلمانوں نے کرنی شروع کر دی ہیں اور جن کی بنا پر آپ کو یہ غلط فہمی لاتی ہوئی ہے کہ اس آیت کی تعبیر میں وسیع اختلافات رونما ہو گئے ہیں تو میں یہ صاف کہوں گا کہ حقیقت وہ تعبیرات نہیں بلکہ معنوی تحریفات ہیں جن کو قرآن کی جائز تفسیر کے حدود میں جاگ نہیں دی جاسکتی۔ یہ تعبیرات دراصل ایسے لوگوں نے کی ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ آپ لوگوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور پھر قرآن کو عبور کرنا چاہتے ہیں کہ ضرور وہ اسی بات کو حق کہے جسے آپ لوگ حق کہتے ہیں۔ اس طرح کسی چیز کو معنی پہناتے کی کوشش کرنا میرے نزدیک منافقت اور بے ایمانی ہے۔ میں اگر ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں یا کسی معاملے میں بھی قرآن کا نقطہ نظر غلط اور اہل مغرب کا نقطہ نظر صحیح ہے تو صاف صاف قرآن کا انکار کر کے آپ حضرات کے نظریے پر ایمان لانے کا اعلان کر دیتا اور یہ کہنے میں بہرگز تامل نہ کرتا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ یہی رویہ بہر مخلص اور راست باز آدمی کا ہونا چاہیے۔ مگر مجھے انیسویں صدی کے آپ لوگ ہمارے اندر منافقین کی ہمت افزائی کرتے ہیں صرف اس لیے کہ وہ زندگی کے معاملات میں آپ کے ہم نوا ہیں۔ آپ کو ان کی ہم نوائی اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ منافقت بری نہیں معلوم ہوتی جو ان کے لیے کار فرما ہے۔

قرآن کی تالیف میں حدیث کی اہمیت | آپ نے اس سوال کے ضمن میں ایک اور سوال یہ پھیر دیا ہے کہ اگر ایک شخص کسی آیت کا مطلب صاف محسوس کر رہا ہو تو اسے حدیث کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ایک شخص خواہ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتا ہو یا یہ سمجھتا ہو کہ یہ خدا کی کتاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، دونوں صورتوں میں اس کا یہ دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ اسے قرآن کو سمجھنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی تشریح سے مدد لینے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اگر وہ اسے انحضرت کی تصنیف سمجھتا ہے تو اسے ماننا ہوگا کہ مصنف نے اس کی جو تشریح بھی کی ہو وہی اس کا اصل مدعا ہے اور اگر وہ اسے خدا کا کلام مانتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدا ہی نے اس کی تعلیم دینے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا تھا، تب بھی اسے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا کے کلام کا جو مفہوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا تھا وہی اس کا مستفہ مفہوم ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ کوئی حدیث جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہو

صحیح ہے یا نہیں اور اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے دلائل کیا ہیں، مگر بجائے خود یہ بات ناقابل انکار ہے کہ قرآن کو سمجھنے میں ہم حدیث سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

قرآن کی نزولی ترتیب غیر ضروری ہے | ۱۱۰ |، اگر ایک ہی مسئلے میں قرآن کے اندر دو مختلف حکم پائے جاتے ہوں تو بعد کا حکم پہلے حکم کا نسخ مانا جائے گا۔ مگر اس کے لیے سارے قرآن کو تاریخ نزول کے اعتبار سے مرتب کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ موجودہ ترتیب ہی میں مستند روایات کے ذریعہ سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کونسا حکم پہلے نازل ہوا تھا اور کونسا بعد میں آیا۔

انفرادی تاویل کا حق | ۱۱۱ |، ایک اسلامی ریاست میں ہر صاحب علم قرآن کی تاویل کرنے کا حجاز ہو سکتا ہے لیکن اس کی تاویل سب مسلمانوں کے لیے قانون نہیں ہو سکتی۔ قانون وہی تاویل ہوگی جو اہل علم کے اتفاق یا کثرت رائے سے اختیار کی جائے، یا جس کے مطابق ایک عدالت مجاز فیصلہ دے۔ انفرادی معاملات میں انفرادی تاویل بلاشبہ ہر صاحب علم کا حق ہے، مگر اجتماعی معاملات میں انفرادی تاویل کا حق کیسے دیا جاسکتا ہے؟

قرآن کس انجیل کی تصدیق کرتا ہے | ۱۱۲ | "نئے لہرنامے" (NEW TESTAMENT) کی کتاب اعمال (ACTS) تو دو کفار، چاروں انجیلیں (GOSPELS) بھی الہامی کتابیں نہیں ہیں، نہ قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ البتہ قرآن اُس انجیل کی تصدیق کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ وہ انجیل کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس انجیل کے منتشر اجزاء زبانی روایات کے ذریعہ سے نئے لہرنامے کی چاروں انجیلیوں کے مصنفین کو پہنچے تھے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں مختلف مقامات پر انہیں درج کیا ہے۔ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ کی جو تقریریں اور مثالیں ملتی ہیں وہ اُس انجیل کے متفرق اجزاء ہیں اور ان میں آپ مشکل ہی سے کوئی بات ایسی پائیں گے جسے قرآن کے خلاف کہا جاسکے۔

تبلیغ اسلام کے لیے وجہ جواز | ۱۱۳ | آپ نے قرآن کی اس آیت کا حوالہ نہیں دیا ہے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں لیکن اگر وہ آیت سورہ ریح کی آیت نمبر ۶ ہے تو اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کے لیے اللہ نے ایک طریقہ متعین کیا تھا اور اُس زمانے میں وہی معتبر تھا

ایسی طرح اب اس دور کے لوگوں کے لیے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا ہے اور اس دور میں یہی معتبر (VALID) ہے۔ یہ ہے اس بات کی وجہ جو اس کے مسلمان اہل کتاب سے تمام غیر مسلموں کو سلام قبول کرنے کی دعوت دینے کی ہے۔

قرآن فہمی میں علوم طبیعی کی واقعیت کا مقام (۱۴) اس میں شک نہیں کہ انسان کا علم دنیا اور اس کے حقائق کے متعلق جتنا زیادہ بڑھے گا، اس کو قرآن میں اتنی ہی زیادہ بصیرت حاصل ہوگی۔ لیکن اس سے نہ تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے برادر راست شاگردوں سے بھی زیادہ قرآن کو سمجھنے لگے گا، اور نہ ہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو شخص بھی علم ہیئت، طبیعیات اور کیمیا وغیرہ کے ذریعہ سے دنیا کا خوب علم حاصل کرے وہ لازماً قرآن کا بہتر سمجھنے والا قرار پائے۔ قرآن کے صحیح فہم کے لیے ہر چیز سے مقدم یہ شرط ہے کہ آدمی اس کو خدا کی کتاب مانے، اس کو سرچشمہ ہدایت تسلیم کرے، ان ضروری علوم سے واقف ہو جو قرآن کو سمجھنے کے لیے درکار ہیں، اور پھر اپنا کافی وقت قرآن اور اسلامی نظام فکر و حیات پر غور و فکر کرنے میں صرف کرے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اس پیغمبر سے بھی بڑھ کر قرآن کو سمجھنے والا ہے جسے خود خدا نے اپنی کتاب کی تعلیم دینے کے لیے مقرر کیا تھا (یا جو آپ لوگوں کے نزدیک خود اس کتاب کا معنی تھا)۔

قرآن کن کتب مقدسہ کی تصدیق کرتا ہے | (۱۵) قرآن مجید جن کتابوں کی تصدیق کرتا ہے وہ پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ نہیں ہیں بلکہ توراہ، زبور اور انجیل ہیں۔ توراہ کو یہودیوں نے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے نہیں رکھا بلکہ اس کے مختلف اجزاء پرانے عہد نامہ کی پہلی پانچ کتابوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اندر شامل (INCORPORATE) کر دیے۔ آپ ان کتابوں میں سے اس توراہ کے اجزاء کو اس علامت

کی حد سے چھانٹ سکتے ہیں کہ جہاں جہاں کوئی عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے کہ خداوند نے موسیٰ سے یہ کہا، یا خداوند نے یہ حکم دیا یا موسیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یہ تقریر کی وہاں غالباً اس توراہ کا کوئی جز نقل کیا گیا ہے۔ یہی صورت زبور کی بھی ہے کہ پرانے عہد نامہ کی پوری کتاب زبور (PSALMS)

نہیں بلکہ صرف زبور داؤد (PSALMS OF DAVID) کی قرآن نے تصدیق کی ہے اور اس کے اجزاء کتاب زبور میں شامل پائے جاتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ انجیل کا بھی ہے کہ اس کو پیروان مسیح علیہ السلام نے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے محفوظ نہ رکھا بلکہ مسیح علیہ السلام کے سوانح نگاروں (متی، مرقس، لوقا، یوحنا وغیرہ)

نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کے وہ حصے درج کر دیے ہیں جو ان کو زبانی روایات کے ذریعے سے پہنچے تھے اور انہیں اس علامت کی مدد سے پہچانا جاسکتا ہے کہ مسیح نے یوں کہا، یا مسیح نے یہ تمہیں دی، یا لوگوں کو خطاب کر کے یہ وعظ کیا۔ آپ میری اس نشان دہی پر پرہیز اور نئے عہد نامے میں توراہ، زبور اور انجیل کے ان اجزاء کو چھانٹ لیں اور پھر قرآن کا ان سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے، اور جو تھوڑا سا اختلاف ہے اس کی بھی یہ معقول توجیہ کی جاسکتی ہے کہ قرآن اپنے اصل الفاظ میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے موجود ہے اور وہ تینوں کتابیں نہ اصل الفاظ میں محفوظ رکھی گئی ہیں اور نہ انہیں ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے باقی رہنے دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ تینوں کتابیں مستقل کتابوں کی حیثیت سے موجود تھیں یا نہیں، لیکن کم از کم توراہ کے متعلق یہ بات خود پرانے عہد نامے کے بیانات سے بخوبی اور ہمارے ہاں کی احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں کے ہاں یہ ایک مدت تک ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے پائی جاتی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا ایک نسخہ دینے کے یہودیوں کے پاس موجود تھا۔

۱۷۔ اگر اس امر میں کسی کو شک ہو کہ یہ کتابیں اپنے اصل الفاظ میں محفوظ ہیں یا نہیں، تو وہ مثال کے طور پر صوفی پھاٹک کے الفاظ کی عبارات، آیتوں اور توہمات کی انجیلوں میں نکال کر دیکھ لے۔ دونوں روایتوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس کی موجودگی میں مشکل ہی سے وحی کے اصل الفاظ محفوظ ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ۱۔ سلاطین باب ۲۲ - ۲۳۔